قرآن کا تصورِ علم

ڈاکٹر سید مسعود احمد

علم کیا ہے؟ اس کی متعین تعریف کرنا مشکل ہے۔ الکندی سے امام غزالی تک علم کی پانچ سو سے زائد تعریفیں (DIFINATION) کی جا چکی ہیں۔ لفظ علم کے معانی ہیں جاننا سیکھنا، دریافت کر لینا، یقین و معرفت حاصل کرنا وغیرہ۔ قرآن مجید نے علم اشیاء، علم ہدایت (البقرہ: ۳۱) علم صفات[1]، علم منطق[2] علم غیب (النمل: ۱۶) اور علم شہادۃ[3] مختلف علوم کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے حدود بہت وسیع ہیں اس میں احوال و افعال اوصاف و اصناف اوزمان و مکان، مادہ و انرجی، روح و جسم صنعت و حرفت جملہ مظاہر کائنات کی معرفت اس میں آجاتی ہے۔

حقیقت (REALITY) ایک معروضی (OBJECTIVE TERM & PRAGMATIC AFFAIR) چیز ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حقیقت ایک ہے یا ایک سے زائد۔ اگر حقیقت ایک ہے تو وہ ہر چیز کی آخری (ULTIMATE REALITY) حقیقت ہوگی جس سے بدیہی طور پر یہ نکتہ نکلتا ہے کہ اُس آخری حقیقت کا عرفان ہی جستجوئے حقیقت کا منتہائے مقصود ہونا چاہیئے اور اگر حقیقت متنوع المظہر (DIVERSIFID FACTS) صفت ہے تو نیرنگی و تنوع کی بنیاد پر مختلف حقائق کو الگ الگ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اختلاف رائے کا ہماری بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ قرآن کی رو سے "الحق" (ULTIMATE AND ABSOLUTE REALITY)

---

[1] الاعلیٰ: ۳، البلد: ۱۰، الدہر: ۳، [2] لقمان: ۲۷، الکہف: ۱۰۹، القیامہ: ۱۴، بنی اسرائیل ۱۱، ۶۷، ۱۰۰ [3] الحشر: ۲۲، المومنون: ۹۲، الرعد: ۹، فاطر: ۳۸۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (المومنون: ۱۱۶، طٰہٰ: ۱۱۴) البتہ انسان کی خلافت ارضی اور تسخیر کائنات جیسی گراں بار ذمہ داریوں کا یہ تقاضا ہے کہ اُس "الحق من ربك" (آل عمران ۶۰، الحج ۵۴) کے مختلف مظاہر کو وہ سمجھے کیوں کہ قرآن کائنات کے آئینہ میں خالق کائنات کی معرفت اور احساس ذمہ داری کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (آل عمران ۱۹۰-۱۹۱) اور قرآن کی رو سے علم کا صحیح مصرف یہ ہے کہ انسان خلافتِ الٰہی کی گوناں گوں ذمہ داریوں کی بہترین ادائیگی کے قابل ہو جائے علم اسی مقصد کے حصول کے لیے اسے دیا گیا تھا۔ (البقرہ: ۲۹، ۳۴)

علم کے معانی و مفاہیم

کسی شے یا صفت کے حقیقی اور جامع مفہوم کو متعین کرنے کے لیے عموماً چار طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ۱۔ خود اس شے یا صفت کے استعمالات دیکھے جائیں۔ ۲۔ ظروفِ اشیاء کے معانی سے استنباط کیا جائے۔ ۳۔ اشیاء کی ضد کے معانی و مفاہیم سے ان کا مفہوم متعین کیا جائے۔ ۴۔ اس شے سے قریب تر اشیاء کے استعمالات سے اُس کے معانی کا تعین کیا جائے۔

مندرجہ بالا چار طریقوں سے علم کا مفہوم متعین کرنے کے لیے ہم بحث اس طرح کر سکتے ہیں کہ اولاً خود صفت علم کے مختلف قرآنی استعمالات کا تجزیہ ہو، ثانیاً یہ دیکھا جائے کہ قرآن کے نزدیک علم والے کون ہیں اس کی روشنی میں اس کا مفہوم کا تعین کیا جائے ثالثاً جہل و جہلاء کے استعمال کی روشنی میں ضدِ جہل یعنی علم کے معانی متعین کیے جائیں۔ رابعاً علم کے ہم معنی الفاظ مثلاً تعقل، تفقہ، حکمت اور ہدایت وغیرہ کا قرآنی تصور علم کے معانی جاننے کے لیے استعمال کیا جائے۔

علم والوں کے ضمن میں قرآن مختلف الفاظ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً اوتوا العلم، علماء، عالمون، اولی العلم، ذی علم، راسخون فی العلم وغیرہ۔

قرآن مجید میں نو مقامات پر اوتوا العلم (جنھیں علم دیا گیا) کا تذکرہ ہے۔ (الحج: ۵۴)[1]

---

[1] مزید ملاحظہ ہو۔ الروم: ۵۶، العنکبوت: ۴۹، القصص: ۸۰، النحل: ۲۷۔ ۴۴۰

اور ایک مقام پر اوتینا العلم (ہمیں علم دیا گیا) آیا ہے[1]۔ (النمل: ۴۲) ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ علم والے آیات و بینات کی روشنی میں اللہ پر (العنکبوت: ۴۹) یوم آخر پر (الروم: ۵۶، القصص: ۸۰) اور قرآن پر (بنی اسرائیل: ۱۰۷) ایمان لے آتے ہیں اور ایمان والوں اور علم والوں کے درجات اللہ کے نزدیک بہت بلند ہیں (المجادلہ: ۱۱)۔

عالموں کی فہرست میں جن لوگوں کو شمار کیا گیا ہے ان کا ذکر سات آیات میں ملتا ہے[2]۔ مثلاً سورہ عنکبوت: ۴۳ میں فرمایا گیا کہ "یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں مگر ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے (عالمون) ہوں"۔ سورہ روم آیت ۲۲ میں ہے کہ "اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں (عالمین) کے لیے"۔ علما، کا ذکر دو جگہ آیا ہے (فاطر: ۲۸، الشعرا: ۱۹۷) ایک جگہ علمار بنی اسرائیل کے لیے اور دوسری جگہ زیادہ جامع معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ فرمایا "اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں (فاطر: ۲۸) عالمین کا استعمال تین جگہ اور ہے جن میں اللہ تعالیٰ کا علم (الانبیاء ۵۱، ۸۱) اور عزیز مصر کے خواب دیکھنے پر اس کے درباریوں کی لاعلمی (یوسف: ۴۴) کا اظہار کرنے کے لیے علم "بمعنی جاننا" استعمال ہوا ہے۔

"اولو العلم" کے سلسلہ میں سورہ آل عمران آیت ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور علم والے اس پر شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عدل و قسط پر قائم ہے"

"ذی علم" کا ذکر سورہ یوسف کی دو آیات میں ہے۔ ایک آیت ۶۸ میں حضرت یعقوب کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم والا تھا یعنی وہ نبی اور صاحب وحی و رسالت تھے اور آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ کو تمام علم والوں (کل ذی علمٍ) سے اوپر ایک علیم بتایا گیا ہے یہاں ذی علم اپنے وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید علم میں پختہ لوگوں (الراسخون فی العلم) کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ وہ متشابہات کی تاویل میں وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے خاموش

---

[1] نیز ملاحظہ ہو۔ الحج: ۵۴، سبا: ۶

[2] مزید دیکھئے۔ یوسف: ۴۴، الروم: ۲۲، الانبیاء: ۵۱، ۸۱، فاطر: ۲۸، الشعراء: ۱۹۷

ہو جاتے ہیں اور ان کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں (آل عمران: ۷) دوسری جگہ سورۃ النساء آیت ۱۶۲ میں ہے کہ "لیکن راسخون فی العلم اور مومنین اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے اور جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ پر یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں۔"

"تعلمون" (یونس: ۵) [۱] قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لفظ کے مختلف و متنوع استعمال سے علم کی حدود بہت وسیع ہو جاتی ہیں۔

"اہل الذکر" کو بھی جاننے والوں ہی کی صف میں رکھا جا سکتا ہے کیوں کہ قرآن ہی میں واضح قرینہ ہے کہ اہل ذکر سے مراد اہل علم ہیں۔ فرمایا گیا کہ تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ (النحل: ۴۳، الانبیا: ۷) یہاں اہل ذکر سے مراد حاملین وحی اور حاملین کتاب ہیں۔

علم کی ضد یعنی جہل کے سلسلہ میں قرآن میں جاہل، جاہلون، تجہلون وغیرہ الفاظ بیس [۲۰] سے زائد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان الفاظ سے جہل کے معانی و مفاہیم کا تعین کریں گے۔ چوبیس [۲۴] مقامات پر جہل کے مختلف صیغوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ تعصب، حماقت، سفاہت، نادانی، بے علمی، حقیقت سے ناواقفیت، بدتمیزی، وہم و قیاس وغیرہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۶۷) [۲] صاحب تفہیم القرآن سورہ احزاب آیت ۳۳ کے حاشیہ ۴۹ میں رقم طراز ہیں کہ "جاہلیت کا لفظ قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ تین جگہ اور استعمال ہوا ہے ایک آل عمران کی آیت ۱۵۴ میں جہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی چرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "وہ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے سے گمان رکھتے ہیں" دوسرے سورہ مائدہ آیت ۵۰ میں، جہاں خدا کے قانون کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا کہ کیا

---

[۱] مزید ملاحظہ ہو توبہ: ۶، ۱۱، اعراف: ۳۲، انفال: ۳۴، النمل: ۵۲ وغیرہ

[۲] نیز دیکھئے۔ آل عمران ۱۵۴، النساء: ۱۷، المائدہ: ۵۰، الانعام: ۳۵، ۵۴، ۱۱۱، الاعراف: ۱۳۸، ۱۹۹۔ ہود: ۲۹، ۴۶، یوسف: ۳۳، ۸۹، النحل ۱۱۹، النمل: ۵۵، فرقان: ۶۳، القصص: ۵۵، الزمر: ۶۴، احقاف ۴۶۔ احزاب ۳۳، ۲۷، فتح ۲۶، الحجرات: ۶

وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ تیسرے سورہ فتح آیت ۲۶ میں جہاں کفارِ مکہ کے اس فعل کو حمیت جاہلیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ انھوں نے محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ابوالدرداؓ نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کو ماں کی گالی دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ابھی تک جاہلیت کی بو موجود ہے ..... ان تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو اور جاہلیت اولیٰ کا مطلب وہ برائیاں ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اور دنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے۔"

جاہلیت کے ضمن میں فاضل مفسر کا ایک اور حاشیہ اس بحث کے دیگر گوشے نمایاں کرتا ہے۔ فرماتے ہیں "جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیوں کہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانۂ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہرحال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے دیئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنون و اوہام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے۔"[۱]

مندرجہ بالا قرآنی اصطلاحات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں۔

---

[۱] تفہیم القرآن۔ جلد اول سورہ مائدہ، حاشیہ نمبر ۸۳

جو حقائق کائنات اور حقیقتِ نفس الامری کو جاننے والے ہیں جو آخرت کو سنوارنے کی نہ صرف خود فکر کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں۔ جو کائنات میں اپنے مقام اور اپنے مقصد زندگی کی معرفت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے برخلاف ہر وہ شخص قرآن کی رو سے جاہل قرار پاتا ہے جو ان حقائق سے نابلد ہے یا ان سے جانتے بوجھتے روگردانی کرتا ہے اور حیات دنیوی ہی کو اپنا مطمح نظر بنا کر زندگی گزارتا ہے۔

علم اور علماء کے مفہوم میں یفقہون، اولی الالباب، حکمت، یعقلون وغیرہ کا استعمال بھی قرآن میں کثرت سے ہوا ہے اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تفقہ، حکمت اور ہدایت کا تعلق اس علم سے ہے جس سے ہر نبی توفیق یاب ہوتا ہی ہے ان کے علاوہ دوسرے سلیم الفطرت انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ علم کے جامع و وسیع مفہوم کے تعین میں ان الفاظ کے مختلف استعمالات سے یک گونہ مدد ملتی اور تقویت پہنچتی ہے۔

علم کے ضمن میں اوپر کے جائزہ اور قرآنی تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی علم، جسے قرآن میں اکثر "العلم" سے تعبیر کیا گیا ہے وہ ہے جو براہ راست پیغمبر کو وحی کے ذریعہ دیا جاتا ہے اور دوسرے انسانوں تک رسولوں کے ذریعہ پہنچتا ہے۔[1] یہ رسول (خصوصاً نبی آخر الزماںؐ) کتاب ہدایت و آگہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کائنات اور خالق کائنات کے رموز و اسرار کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ آئینہ کائنات میں خالق کائنات اور منازلِ انسانی کا پرتو دکھاتے ہیں اور ان علوم حقائق کی روشنی میں انسانوں کے تزکیہ کا بیڑا اٹھاتے ہیں۔[2] لہٰذا علم کا منتہائے مقصود ایمان اور تزکیہ نفس قرار پاتا ہے بنا بریں سورہ جمعہ کی آیت ۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاملین علم کی ایک بنیادی صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ جن حقائق سے وہ بہرہ ور ہوں ان کا عکس ان کی عملی زندگی میں بھی جھلکنا چاہیے۔ عالم باعمل ہی علم سے حقیقی نفع پانے کے دعوے دار ہو سکتے ہیں اور وہی اس علم کی اہمیت اور خاموش تبلیغ کا سامان فراہم کرتے ہیں ورنہ وہ "کمثل الحمار یحمل اسفاراً" کے مصداق ہوں گے (الجمعہ: ۵) مزید برآں اولوا العلم اپنے علم سے مخلوق عالم کو فائدہ

---

[1] النجم: ۳۰، الملک: ۲۶ وغیرہ۔ [2] الجمعہ: ۲، آل عمران: ۱۶۴، البقرہ: ۱۵۱

پہنچانے کی پوری کوشش کریں ورنہ وہ علم خود ان کے لیے تباہی و رسوائی کا موجب بن جائے گا۔ (القصص ۷۷، ۸۰) حضورِ اکرم کے بعد حاملین کتاب اللہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ تزکیہ نفوس اور تطہیر معاشرہ کا فریضہ انجام دیں کیوں کہ وہی معروف و منکر کو خوب جانتے ہیں اور علمِ الٰہی اور ایقانِ حقائق کے لذت آشنا ہیں۔

علم کی اہمیت

علم کی اہمیت کا اندازہ اس تاریخی واقعہ کی روشنی میں بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی ہی میں خالق کائنات نے اپنے تعارف کے ساتھ علم کی اہمیت بیان فرمائی اور اس کے ذرائع کا مختصر تعارف بھی کرایا (العلق آ تا ۵) اور اس نبی اُمّی (الجمعہ: ۲) کو کلمۂ "اِقرا" کی خلعت نبوت سے نوازا گیا جس نے کسی مدرسہ میں یا کسی معلم سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ پانچ جملوں کی اس چھوٹی سی وحی میں دو بار پڑھنے (اقرأ) اور تین بار جاننے (علم) کا ذکر فرمایا۔ مزید براں اس کتاب ہدایت کا اسمِ ذاتی ہی "قرآن" (الانعام: ۱۹)[۱] یعنی پڑھی جانے والی چیز" رکھا گیا اور اس کتاب کو العلم (البقرہ: ۱۲۰)[۲] سے تعبیر کیا گیا۔ علم کی اہمیت اجاگر کرنے کی غرض سے اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے نام بھی قرآن کے لیے استعمال کیے گئے مثلاً حکمت (بنی اسرائیل ۳۹، الاحزاب ۳۴) ہدیٰ (البقرہ: ۲، ۹۷، ۱۸۵)[۳] برہان (النساء: ۱۷۴) کلام (التوبہ ۶، الفتح: ۱۵) ذکر وغیرہ (الحجر: ۹)[۴] ظاہر ہے کہ یہ علم ہی کی مختلف شاخیں ہیں۔ قرآن نے معلم دوراں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امیوں میں بعثت کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ وہ ان کے دوران اللہ کی آیات کی تلاوت کریں، علم و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کا تزکیہ کریں۔ (آل عمران: ۱۶۴)[۵]

---

[۱] مزید دیکھیں: یونس: ۳۷، یوسف: ۳، بنی اسرائیل: ۹ [۲] نیز ملاحظہ ہو آل عمران: ۶۱، الرعد: ۳۷

[۳] مزید دیکھیں: آل عمران: ۱۳۸، المائدہ: ۴۶؛ الانعام ۱۵۷، القصص ۴۳۔

[۴] مزید دیکھیں: النحل: ۴۴، الانبیاء: ۵۰، یوسف ۱۰۴، الطلاق: ۱۰۔

[۵] مزید دیکھیں: الجمعہ: ۲، البقرہ: ۱۵۱

اسلام نے لوح (البروج ۲۱-۲۲، یونس: ۶۱) وقلم (القلم: ۱) کا تصور دیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور قوانین محفوظ کی جاتی ہیں۔ یہ تصور آپ کو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گا۔ علاوہ بریں ام الکتاب (الزخرف ۴) اور کتاب مبین (یونس: ۶۱) کی شکل میں زمین وآسمان کے جملہ علوم پر حاوی کتاب کا تصور بھی قرآن ہی کی دین ہے۔ اسی اسلامی تصور کو مستعار لے کر دنیا میں انسائیکلوپیڈیا کا خیال پیدا ہوا۔ جسے اُس ام الکتاب سے نسبت قطرہ اور سمندر کی بھی شاید نہ ہو۔

آخر کوئی وجہ ہی تو تھی جس کی بنیاد پر اس علیم و بصیر ذات نے "قلم" اور "جو کچھ لکھا جا رہا تھا اس کی قسم کھائی اور ایک سورہ کا نام ہی قلم رکھوا دیا۔ (القلم) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک "علیم" فرزند کی بشارت دی گئی۔ (الذاریات ۲۸، الحجر: ۵۳) اس نعمت خداوندی کا اندازہ اس آیت پاک سے بھی لگائیے کہ جس میں نبی اکرمؐ کو منعم حقیقی نے حکم دیا کہ آپ ہم سے علم میں زیادتی کی دعا مانگیے۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

قرآن کا علمی طرز استدلال تو ہر قاری پر روز روشن کی طرح ہر صفحۂ قرآن سے عیاں ہوہی جاتا ہے جس کی تردید اس کے دشمن بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارا مقصد تو یہاں اس کے ذخیرۂ دلائل ہی میں سے چند ایک کے ذریعہ علم کی اہمیت بیان کر دینا ہے۔ غور فرمائیے کہ قرآن ایک جگہ بایں الفاظ اپنے استدلال کی بنیاد اٹھاتا ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ مزید براں فرماتا ہے کہ تمہیں علم نہ ہو تو صاحبان علم سے پوچھ لو۔ (الانبیا ۷، النحل ۴۳) مشرکین کے لایعنی رسوم و رواج اور بے سرو پا عقائد کے سلسلہ میں فرمایا کہ یہ لوگ ظن و تخمین کی اتباع کرتے ہیں ان کے پاس اِن غلط عقائد و اعمال کی کوئی علمی سندِ جواز نہیں۔ (النساء: ۱۵۷) ایک مقام پر ان کے سامنے یہ چبھتا ہوا سوال بھی پیش کر دیا گیا کہ کیا یہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید تب بھی کرتے رہیں گے جب کہ ان کے بزرگ نہ کوئی علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (المائدہ: ۱۰۴) بر زدر علمی استدلال کی ایک ناقابل تردید دلیل بھی ملاحظہ ہو جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہو تو ہمارے سامنے لاؤ (الانعام: ۱۴۴، ۱۴۹)

سلے مزید دیکھیں: الرعد: ۳۹، فاطر: ۱۱ سلے مزید دیکھیں: ہود ۶، الانعام: ۳۸، النحل: ۸۹)

اجتماعی زندگی میں سب سے اہم مسئلہ قیادت کا ہوتا ہے۔ قرآن قیادت کی اہلیت کے لیے علم کی بالاتری قائم رکھتا ہے۔ (البقرہ: ۲۴۷) معاشرتی معاملات میں اس کی ہدایت ہے کہ آپسی لین دین قرض اور معاہدات کو ضبط تحریر میں لے آؤ اور لکھنے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ لکھنے سے پہلوتہی نہ کیا کریں (البقرہ: ۲۸۲) علم کی فضیلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رب العالمین نے سرورِ کائنات کو یہ حکم دیا کہ آپؐ ان لوگوں کی راہ پر نہ چلیں جن کو علم نہیں (یونس: ۸۹) اور جاہلوں سے اعراض کریں۔ (ایضاً) حضور اکرمؐ کے توسط سے عام لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس بات کی تم کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو۔ کیوں کہ کان، آنکھ اور دل (و دماغ) کے سلسلہ میں ہر شخص سے پوچھ ہوگی۔ (بنی اسرائیل: ۳۶) جہاد کی فضیلت سے سب واقف ہیں۔ بعض اوقات وہ اسلامی ریاست پر فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی کی صورت یہ رکھی کہ علم کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو فرمایا کہ مومنین کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ سب لوگ (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں بلکہ ان میں سے ایک جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب علم سیکھ کر اپنے لوگوں میں واپس ہوں تو ان کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں اور اس کی اطاعت پر خوش خبری دیں) تاکہ وہ اللہ کے عذاب سے بچیں (التوبہ: ۱۲۲) ایک جگہ فرمایا گیا کہ جب تم پیدا ہوئے تھے تو کچھ نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سمع و بصر اور دل و دماغ عطا کیا (اس کے ذریعہ تمہیں علم کی دولت ملی) تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ (النحل: ۷۸)

علم کی قوت

علم کی قوت قرآن کی رو سے اس واقعہ کے ذریعہ اجاگر ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک طاقتور جن نے ملکۂ سبا کے تخت کو سیکڑوں میل سے ان کے دربار کی برخواستگی سے قبل لانے کی پیشکش کی تو ایک شخص نے، جسے علم کتاب سے نوازا گیا تھا اس جنّ کو چیلنج کر دیا اور کہا کہ میں اس تخت کو پلک جھپکنے سے بھی قبل لا سکتا ہوں۔ اتنا کہتے ہی وہ تخت حضرت سلیمان کے سامنے حاضر تھا۔ (النمل: ۴۰) نزولِ قرآن کے وقت قرآن کا پیش کردہ یہ واقعہ بیشک ایک ناقابل تصور عجوبہ تھا، مگر آج

انسان کے علم وعقل کے مظاہر راکٹ، ہوائی جہاز، بجلی، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ایٹمی اور نیوکلیر مشینوں وغیرہ کی موجودگی میں یہ واقعہ اب ناممکنات کی سرحدوں سے نکل کر ممکن الوقوع ہوگیا ہے۔ بس فرق اتنا ہی ہے کہ ہمارے سائنس داں علم ظاہر سے تو بیشک مزین ہیں مگر علمٌ من الکتاب کی (النمل: ۴۰، الرعد: ۴۳) ناپید اکنار قوت تسخیر سے نابلد ہیں اس وجہ سے ایسے ممکن الوقوع واقعات تک کو غیر سائنٹفک کہہ کر رد کرنے میں انھیں تامل نہیں ہوتا یہ خود ایک غیر سائنٹفک انداز ہے جس سے علم کی راہیں بند ہوجاتی ہیں۔

علم کی اقسام

مختلف پہلوؤں سے علم کی متعدد اقسام ممکن ہیں۔ ہم یہاں چند نمایاں پہلوؤں کی روشنی میں بحث کریں گے۔ اللہ تعالی نے انسان کو جبلی اور شعوری (البقرہ: ۳۱)[1] دونوں قسم کے علوم سے نوازا ہے جن کو وہبی اور کسبی علوم کے نام سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے۔ وہبی علوم کے ذیل میں علم نبوت و معرفت، (مریم: ۳۰، ۵۱-۵۴)[2]۔ علم لدنی (الکہف: ۶۵) علم فجور وتقوی (الشمس: ۸) وغیرہ رکھے جاسکتے ہیں۔ یہ علوم براہ راست اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو پہنچتے ہیں ان علوم میں انسانی کسب وارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ الہام ومکاشفہ اور رویا کو وہبی علوم میں رکھنا بحث طلب مسئلہ ہے۔ جوگیانہ مشقوں سے بھی اسی قسم کا نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے لہٰذا ان خوارق عادات میں انسانی کسب وارادہ اور القاء شیطانی کا بہت امکان ہے۔ علم وحی، علم لدنی وغیرہ میں اللہ تعالی کی خصوصی حفاظت کا ذمہ ہے لہٰذا یہ شیطانی حربوں سے پاک ہیں۔ (الجن: ۲۶، ۲۸)

علوم کسبی حواس خمسہ کے ذریعہ یا کچھ آلات کی مدد سے نیز دو انسانوں کے تعامل یا انسان وکائنات کے تعامل سے انسانی عقل وشعور اور محنت ومشقت کے بقدر ملتے ہیں۔ عقل وشعور سے ہماری مراد یہاں قوت استنباط ہے جو سراسر عطیہ خداوندی ہے ان علوم کے قریبی ماخذ اور ذرائع۔ آنکھ، کان، فواد (بنی اسرائیل: ۳۶، التکاثر: ۸) غور وفکر[3]

---

[1] مزید دیکھیں: العلق: ۴-۵، الشمس: ۸ [2] مزید دیکھیں الاعراف: ۱۵۸، الشعراء

[3] حم السجدہ: ۵۳، ۵۴، الذاریات ۲۰ تا ۲۳، البقرہ ۱۶۴، آل عمران ۱۹۰-۱۹۱، الاعراف: ۱۹۱

سیر و سیاحت مع الفکر (العنکبوت: ۲۰)[1] قصص و تاریخ سے عبرت پذیری (الاعراف: ۱۷۶) وغیرہ ہیں[2]۔
کسبی علوم کے دنیا پر اثرات کی نسبت سے مزید تین قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ (۱) علوم خیر مثلاً قرآن و حدیث کا علم یعنی علوم نبوت کو صاحب وحی سے بالواسطہ یا براہ راست حاصل کرنا۔ ان کو علوم محمود بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان علوم کا حاصل کرنا فرض عین اور ان میں دسترس حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ (۲) علوم فتنہ جن میں تمام دنیوی علوم آجاتے ہیں نیز علوم خیر کو بدنیتی سے حاصل کرنا یا ان کے معانی و مفاہیم میں افراط و تفریط سے کام لینا بھی فتنہ کا موجب بن جاتے ہیں گویا ہر علم موجب فتنہ اور ذریعہ آزمائش ہے۔ البتہ اس کے حاصل کرنے میں خیر و شر اس بات پر منحصر ہے کہ طالب علم اور صاحب علم اس کو کس نیت سے اور کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ (۳) علوم شر مثلاً سحر علم نجوم، علم قیافہ وغیرہ۔ ان کو سیکھنا، سکھانا غلط ہے اور یہ علوم مذموم ہیں کیونکہ یہ شیطان کے القاء کا نتیجہ ہیں اور ان کے حوارین کے ذریعہ فروغ پاتے ہیں نیز دنیا میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔

علم کے حصول و استعمال کے لیے بنیادی ہدایتیں

اسلام نے ہمارے خیال میں علم کے لیے چار بنیادیں فراہم کی ہیں۔ توحید۔ رسالت۔ آخرت اور خلافت۔

علم کا توحیدی نظریہ یہ ہے کہ تمام علوم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے (العلق: ۴-۵، الرحمٰن: ۲)[3] اس نے خیر کل کے تحت ہی تمام علوم کو ظہور بخشا ہے۔ لہٰذا علوم کو حاصل کرنے کا مقصد معرفت خداوندی اور خشیت الٰہی پیدا کرنا (فاطر: ۲۸)[4] اور انسانوں کی فلاح اور کائنات کے توازن و تعمیر کے لیے استعمال کرنا ہے۔ یہ استخراج وحدت اللہ (البقرہ: ۱۶۲)[5] وحدت انسانیت (الحجرات: ۱۳)[6] وحدت علم (العلق: ۴-۵)[7] اور وحدت کائنات پر (الملک: ۳-۴)[8] مبنی ہے اور یہی قرآن کا جامع

---

[1] مزید دیکھیں، النمل: ۶۹، فاطر: ۳۵، ۴۴، الروم ۹، ۲۱، ۴۲، المومن ۲۱، الانعام: ۱۱
[2] مزید دیکھیں، المائدہ: ۲۷، تا ۳۰، ہود: ۱۰۰، یوسف ۳، ۱۱۔ [3] نیز ملاحظہ ہو۔ بنی اسرائیل: ۱۰۷، النجم: ۵۴۔
[4] مزید ملاحظہ ہو، النساء: ۱۷۱، یوسف: ۳۹، الرعد: ۱۶، ابراہیم: ۴۸
[5] مزید دیکھیں، الرحمٰن: ۲، النمل: ۹۔ [6] مزید ملاحظہ ہو الرحمٰن: ۲، النمل: ۹۔
[7] مزید دیکھیں، الانعام: ۳۸، الانبیاء ۲۱۔

تصورِ توحید ہے۔ بالفاظِ دیگر توحیدی نظریۂ علم کی رو سے علم کا ابتدائی سرا اللہ کی ذات اور آخری سرا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے یعنی اس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی تخلیقات میں نظامِ خداوندی کو قائم رکھنا۔

رسالت کا عقیدہ علم کے سلسلہ میں یہ بنیاد فراہم کرتا ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست[1] علم دیا اور اُس علمِ حقیقی ویقینی کو بذریعہ وحی بھیجا (الاعراف: ۳۵)[2] رسول ہی سفرِ حیات میں سیدھے راستہ کی رہ نمائی کرسکتا ہے۔ (الاعراف: ۳۵)[3] علمِ نبوت ہی حق اور لاریب ہے۔ (الاعراف: ۶۲، النمل: ۹) یہ عقیدہ تمام علومِ دنیوی اور علومِ اخروی، علومِ ظاہر اور علومِ باطن، علومِ طبیعیات اور علومِ مابعد الطبیعیات وغیرہ کو علمِ وحی کے تابع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی رو سے علمِ حقیقی براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے جبکہ انسان اپنی طرف سے تخمین وظن اور ضد و تعصب کی بنیاد پر بہت سے فلسفے اور راستے متعین کرلیتا ہے۔ (النمل: ۹) اور ان بے لگام کسبی علوم کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد کا موجب بنتا ہے۔ (الروم: ۴۱) یہ رسول ہی فیصلہ کرسکتا ہے کہ کون سا علم محمود ہے اور کون سا مذموم۔ بلکہ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ حکمت و بصیرت کی باتیں سکھائے (آل عمران: ۱۶۴) اور حق وناحق کے درمیان تمیز کردے نیز برے اعمال کے برے انجام اور اعمالِ حسنہ کے بہترین نتائج سے انسانوں کو آگاہ کردے (الکہف: ۵۶)

رسالت کے ضمن میں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین محمد رسول اللہ کے ذریعہ مکمل کردیا[5] اور شریعتِ محمدی کی یہ خصوصیت ہے کہ ہدایت کے باب میں یہی عالمگیر قانونِ حیات ہے اور نبی اکرمؐ ہی تمام عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (النساء: ۶۴)[6]

آخرت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے کسب کا خود ذمہ دار ہے (البقرہ: ۱۴۱)[7] اس کی اپنے ہر علم وعمل کا ایک روز حساب دینا ہے۔ (الاعراف: ۶)[8] لہٰذا ہر علم کو اخروی فلاح

---

[1] مزید دیکھئے۔ ہود: ۲۸، النحل: ۲ [2] مزید دیکھیے۔ ہود: ۲۸، النحل: ۲۔

[3] مزید دیکھیں۔ الجمعہ: ۲، البقرہ: ۱۵۱ [4] مزید دیکھیں بنی اسرائیل: ۹۴، النساء: ۱۶۵، الاعراف: ۵۹، ہود: ۳۔

[5] المائدہ: ۳ [6] مزید دیکھیں الاعراف: ۱۵۸، الانبیاء: ۱۰۷، الاحزاب: ۲۱

[7] مزید دیکھیں۔ یونس: ۴۱، القیامہ: ۳۶، بنی اسرائیل ۱۵، ۳۶، الاعراف: ۶

[8] مزید دیکھئے۔ الانبیاء ۴۷، الزلزال ۷، ۸، ابراہیم: ۴۱، البقرہ: ۲۸۴، النجم: ۳۹-۴۰۔

کی نیت سے حاصل کرنا چاہئے اور اس کا استعمال بھی اسی راہ میں ہونا چاہیئے جس میں فلاحِ آخرت کی ضمانت ملتی ہو۔ (الروم: ۵) اسلام میں فلاحِ آخرت کی بنیاد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ علم کو معرفتِ خداوندی اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری کے لیے حاصل کیا جائے اور اللہ کے بندوں کا یہ حق ہے کہ ہر علم کے حصول و استعمال کا مقصد تعمیر انسانیت، بہبودِ خلائق اور معاشرہ میں عدل و انصاف کا قیام ہو۔

منکرین آخرت اور مومنین میں علم کے پہلو سے ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ منکرین آخرت دنیوی کامیابی اور مفاد کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور وہ علم ظاہر یعنی علوم مادی سے آگے نہیں بڑھتے جبکہ فلاح آخرت کے لیے علوم غیب اور علوم روحانی کی بھی ضرورت ہے۔ (الروم: ۵)

خلافت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے (البقرہ: ۳۰) [۱] وہ امانتِ الٰہی کا حامل ہے (الاحزاب: ۷۲) اس کو خلافتِ ارضی کی گوناں گوں ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے ہی علم عطا ہوا ہے۔ (البقرہ: ۳۰-۳۱) وہ اشرف المخلوقات ہے (ص: ۷۵) [۲] اور تسخیر کائنات کا اہل ہے۔ (لقمان: ۲۰) [۳] اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کائناتی علوم کے دروازے کھول دئیے ہیں۔ (حم السجدہ: ۵۳، العنکبوت: ۴۹) اسے علم و بصیرت، حکمت اور تفقہ جیسی صفات اسی لیے عطا کی گئی ہیں کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری و نافذ کرے۔ ارتقاءِ خودی اور کائنات و انسان کے درمیان بہترین ہم آہنگی کے اصولوں پر علوم کی بنیادیں قائم کرنا ہی خلیفۂ ارضی کے شایانِ شان ہے۔

علم کے اسلامی اور غیر اسلامی تصور میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اسلام علم کے دونوں سرے (ENDS) اور اس کی سمت متعین کرتا ہے جبکہ غیر اسلامی نظریات میں نہ تو علم کے متعین کنارے ہیں اور نہ حقیقی فلاح کی جانب سمتِ سفر "علم برائے علم" اور "ہر علم محمود و مستحسن" ان کے نعرے ہیں۔

مندرجہ بالا اسلامی بنیادوں کی روشنی میں، قرآنی اقدار سے مزین اور علم وحی سے سیراب و مستفاد علم "العلم" کی شکل اختیار کر لیتا ہے ورنہ قرآن مجرد علم کو سندِ عظمت عطا

---

[۱] مزید ملاحظہ ہو، الانعام: ۱۶۶، فاطر: ۳۹۔
[۲] مزید ملاحظہ ہو، البقرہ: ۳۴، بنی اسرائیل: ۷۰، التین: ۴
[۳] مزید ملاحظہ ہو، الجاثیہ: ۱۳، النحل ۱۲-۱۴

نہیں کرتا۔(المومن :۵۲) چنانچہ اس کے نزدیک اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ نفس علم بھی اور علم کا استعمال بھی دونوں ہی صحیح ہوں۔(یونس : ۵۷)[۱]

علوم کی اشاعت میں قرآن کا رول

چونکہ قرآن کا مخاطب انسان ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا خصوصی مظہر ہے۔نیز وہ خلافتِ الٰہی کے منصب عالیہ سے نوازا گیا ہے اور تسخیر کائنات کی شدید خواہش رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ"ہم تمہیں اس کائنات اور تمہارے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔یہاں تک کہ حق واضح ہو جائے۔"(حم السجدہ:۵۳) اور سب سے اہم دلیل یہ کہ قرآن کے نزدیک علم کی فضیلت مسلّم ہے۔(الزمر:۹)[۲] ان تمام امور کا تقاضا ایک تو یہ ہے کہ قرآن علم کے ہر شعبہ میں رہ نمائی کرے دوسرے یہ کہ ان تمام علوم کے فروغ و اشاعت میں اہم رول ادا کرے۔جو انسان کے لیے مفید ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ قرآن زندگی کا ایک مکمل نظام پیش کرتا ہے۔اس کے لیے اس نے معاشیات (الاعراف:۱۰)[۳] سیاسیات (آل عمران:۲۶)[۴] تعزیری قوانین (البقرہ:۱۷۸، ۱۷۹)[۵] قانون وراثت (النساء: ۷-۹) عدلیہ، (النحل:۹۰)[۶]۔انتظامیہ (الاحزاب:۳۶)[۷]۔سائنس فلسفہ (الانبیاء:۲۱)[۸]۔اصول جنگ (النساء:۵۹، الحجرات:۹) اصولِ امن (المائدہ:۳۳)[۹]

---

[۱] مزید دیکھیں: البقرہ:۲۱، الاعراف:۲۶، ۲۷، ۳۵، النساء:۱، الانشقاق:۶، الانفطار:۶ [۲] مزید دیکھیں الرعد:۱۶، المجادلہ:۱۱، الکہف:۱۱۰، الحجرات:۱۳۔ [۳] مزید دیکھیں، النحل:۱۷، البقرہ: ۱۶۸، ۱۸۶، ۱۸۸، ۲۷۵، التوبہ:۳۴، ۳۵، ۶۰، الحشر:۷۔ [۴] مزید ملاحظہ ہو آل عمران:۱۰۴، ۱۸۹ الحج:۴۱، الاحزاب ۳۶، توبہ:۱۱۲، الانعام:۸۵، بنی اسرائیل ۲۴، ۳۴، الممتحنہ:۸ [۵] مزید دیکھیں المائدہ:۳۸، النور:۲، ۴، ۵۔ [۶] مزید دیکھئے الممتحنہ:۸، الحدید:۲۵، النساء:۵۹

[۷] مزید دیکھئے المائدہ:۳۳، النور:۵۵، القصص:۴

[۸] مزید دیکھیں الانعام ۳۸، یٰسین:۴۰، الرعد:۲، الطلاق:۱۲، النحل:۷۹، نیز ملاحظہ ہو راقم کا مضمون بعنوان"سائنسی تحقیقات کا قرآنی محرک" تحقیقات اسلامی جولائی۔ستمبر ۸۳ء

[۹] مزید ملاحظہ ہو النور ۲۷-۲۸، ۵۵، القصص ۴، الذاریات ۱۹، المعارج:۲۵

علوم روحانی۔ (العنکبوت: ۱۷)[1] علوم مادی، (حم السجدہ: ۱۱)[2] اخلاقیات: (الحجرات: ۱۱، ۱۲)[3] معاملات (بنی اسرائیل: ۳۴، ۳۶)[4] تاریخ وسیر، علوم آثار (الاعراف: ۱۷۶)[5] علوم نفسیات، (بنی اسرائیل: ۱۱، ۶۷)[6] علوم عمرانیات (آل عمران: ۱۱۰)[7] وغیرہ مختلف علوم سے بحث کرتا ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں راہِ حق دکھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک مکمل کتاب ہے۔ (البقرہ ۲۰۸)[8]

رہا علومِ انسانی کے فروغ و اشاعت میں قرآن کا رول تو یہ بھی بلاخوف تردید عرض کیا جاسکتا ہے کہ قرآن اس شعبۂ علم کے فروغ میں مہمیز لگاتا ہے جس سے نوع انسانی کو فائدہ پہنچے گزشتہ صفحات میں علم کی اہمیت پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ قرآن کے تقاضوں کو سب سے زیادہ سمجھنے والے یعنی خود صاحبِ قرآن (البقرہ: ۹۷)[9] محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "(۱) علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فریضہ ہے"[10] (۲) "میری بات پہنچا دو چاہے ایک ہی آیت ہو"[11] حاضر غائب تک پہنچا دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ حافظہ رکھتا ہو"۔ (۴) "عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو تاروں پر بدر کامل کی ہے"[12] حضور اکرمؐ نے اپنے اقوال کے لکھنے کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "خدا کی

---

[1] نیز ملاحظہ ہو۔ الزمر: ۲، ۳، ۱۱، ۱۴۔ البقرہ: ۱۳۶، ۱۷۷، ۱۸۳

[2] مزید دیکھئے الرعد: ۲، الانبیاء: ۲۱، الطلاق: ۱۲

[3] مزید دیکھئے بنی اسرائیل: ۵۳، النساء: ۵، ۹، ۱۰ الاحزاب: ۷۰، البقرہ: ۱۰۹، ۲۲۷، النور: ۲۲

[4] مزید دیکھئے البقرہ: ۸۸، ۱۷۷، ۲۱۵، الشوریٰ: ۳۸، الحجرات: ۱۰

[5] مزید دیکھئے المائدہ: ۲۷ تا ۳۰، ہود: ۱۰۰، یوسف: ۳، ۱۱۱، آل عمران: ۱۳

[6] مزید دیکھئے ابراھیم: ۳۴، الاحزاب: ۷۲، الکہف: ۵۴، المعارج: ۲۱، العادیات: ۸

[7] مزید دیکھئے النساء: ۱، ۲۳، ۲۵، النور: ۳۲، الشوریٰ: ۳۸، الذاریات ۱۹، التوبہ: ۷۱

[8] مزید دیکھئے یوسف ۱۰۴، الفرقان ۱، صٓ: ۸۷، القلم: ۵۲، التکویر: ۲۷، النحل: ۸۹، الذاریات ۵۶

[9] مزید دیکھئے الاعراف: ۲، النحل: ۴۴، محمد: ۲

[10] ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان، [11] بخاری

[12] ترمذی، دارمی۔

قسم محمدؐ کی زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔“ نیز طالب علم کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ گویا“ وہ اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر نوافل اور دن بھر روزہ رکھتا ہو۔

حضور اکرمؐ کے یہ ارشادات قرآن کے منشا کی وضاحت کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ آپؐ پر جو وحی کی جاتی ہے وہی فرماتے ہیں۔ (النجم: ۳، ۴) خود قرآن مجید نے رسولِ اکرم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے تعبیر کیا۔ (النساء: ۸۰، الاحزاب: ۳۶)

قرآنِ پاک کی متعدد آیات انسان کو کائناتی حقائق، تاریخی واقعات اور خود اس کے نفس کے کمالات و عجائبات پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں (البقرہ: ۱۶۴)[1] اور اس غور و فکر کے نتیجہ میں تحقیق و تفصیل کے دروازے کھلتے ہیں۔ محقق ان مظاہر الٰہیہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے تجرباتی و فکری کاوشیں کرتا ہے۔ مزید برآں قرآن انسان کو تسخیر کائنات کے لیے ابھارتا ہے (النحل: ۱۲۰، لقمان: ۲۰) جس کا لازمی تقاضا کائناتی علوم کے حصول و فروغ کی تحریک فراہم کرتا ہے۔ قرآن انسانی و کائناتی علوم کے حصول و فروغ پر کس طرح ابھارتا ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں غور و فکر کی دعوت دینے والی سات سو پچاس آیات ہیں جبکہ احکام و قوانین سے متعلق آیات تقریباً ایک سو پچاس ہیں۔ قرآن انسان اور کائنات سے متعلق علوم کی کس طرح ترغیب دیتا ہے اس کا اندازہ ان آیات سے ہو سکتا ہے۔[2]

اس طرح کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن جملہ کائناتی اور انسانی علوم کے حاصل کرنے اور ان کو پھیلانے پر ابھارتا ہے۔

اسی قرآنی تحریک کا نتیجہ تھا کہ حاملین قرآن نے اپنے دورِ عروج میں علمی سیادت و امامت کا لوہا منوا لیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سترہویں صدی کا سائنسی اور صنعتی انقلاب قرآن نے غور و فکر اور تدبر کی جو تحریک برپا کی تھی اسی کا مرہون منت ہے۔ اس کا اعتراف انگریز مصنف بریولیٹ نے یوں کیا ہے کہ:۔

”جدید دنیا پر عربی تہذیب نے سب سے بڑا احسان کیا ہے۔ اگرچہ اس کے

---

[1] مزید دیکھئے آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱، الاعراف: ۱۹۱، حم السجدہ ۵۳-۵۴، الذاریات: ۲۰ تا ۲۳ وغیرہ

[2] ملاحظہ ہوں آیات یونس: ۱۰۱، الذاریات: ۲۰، ۲۱، یوسف: ۱۰۸، الروم: ۲۲، فاطر-۳۵، ۴۴-الروم: ۹۔

ثمرات ذرا دیر سے سامنے آئے۔ اسپین میں عربی ثقافت نے جس عبقریت کو جنم دیا تھا وہ اس تہذیب کے روپوش ہونے کے کافی عرصہ بعد جلوہ گر ہوئی۔ صرف علم (KNOWLEDGE & SCIENCE) ہی نے یورپ کو زندگی نہیں بخشی بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے موثرات نے اپنی ابتدائی کرنیں مغربی زندگی پر ڈالی ہیں۔ یورپی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کا مرجع یقینی طور پر اسلامی ثقافت کے موثرات نہ ہوں۔ یہ موثرات نہایت وضاحت اور اہمیت کے ساتھ جدید دنیا کی تشکیل کرتے ہیں اور جدید دنیا کی قوت یعنی طبعی علوم اور بحث کے علمی انداز پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[۵۱]

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یورپ کے سائنسی انقلاب کے پیچھے بہت سے منفی اور غیر اسلامی محرکات بھی موجود تھے۔ ان کے غیر فطری پہلوؤں اور تخریبی نتائج کی ذمہ داری اسلام پر کسی طرح عائد نہیں ہوتی۔

محکمات، متشابہات اور علم غیب

قرآن دو قسم کی آیات کا ذکر کرتا ہے آیات محکمات اور آیات متشابہات۔ (آل عمران:۷) آیات محکمات کتاب کی بنیاد ہیں ان کو قرآن "ام الکتاب" سے تعبیر کرتا ہے۔ ان کے معانی ومفاہیم واضح ہیں جبکہ متشابہات ان حقائق کو کہا جاتا ہے جن کے صحیح معانی ومفاہیم انسان کو معلوم نہیں اور نہ وہ ان کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔ ان کی حقیقت کُلی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (آل عمران:۷) متشابہات کے ضمن میں جنت، دوزخ اور خود ذات باری تعالیٰ وغیرہ کی حقیقت آتی ہے۔ قرآن کی رو سے ایسے علوم و آیات کی حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش ضیاعِ وقت، زیغ قلب اور فتنہ کو دعوت دینے والی ہے۔ (آل عمران:۷) مثلاً قرآن اللہ کی سلطنت اور لامتناہی قدرت کاملہ کے اظہار کے لیے عرش (المومنون:۱۱۶) کرسی (البقرہ:۵۵) اللہ کا ہاتھ (الفتح:۱۰، ص:۷۵) وغیرہ کا ذکر آیا ہے جبکہ قرآن ہی ذات باری تعالیٰ کے لیے احد (اخلاص:۱) صمد (اخلاص:۲) لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۱۱) جیسی

۵۱۔ "Making of Humanity" ۴۵۵

صفات بھی بیان کرتا ہے ان صفات سے اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا تصور بنتا ہے جو جسم و مکان سے منزہ، ستودہ صفات، قائم بالذات اور ازلی و ابدی ہے ظاہر ہے ایک ایسی ذات کی حقیقت وہ کیسے جان سکتا ہے جس کا خود اس کو تجربہ نہیں اور جس کی مثل کوئی دوسری شے اس کائنات ہی میں نہیں ہے۔

قرآن مجید انسان سے غیب پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ کوئی قابل اعتراض مطالبہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہر علم کی بنیادیں اور اصول ناقابل مشاہدہ نگاہ (AXIOMS T) ہی پر رکھی جاتی ہیں حد تو یہ ہے علمِ مشاہدہ کی سب سے بڑی علمبردار اور مادیت کی پروردہ سائنس بھی ان دیکھے الیکٹران، پروٹان، اٹیم اور بہت سے خیالی ذرات پر اپنی بنیاد رکھتی ہے چاہے ان پر ایمان لانے کا دعوی نہ کرتی ہو۔ ڈالٹن کا اٹیمی نظریہ آج سے تقریباً دو سو سال قبل معرض وجود میں آیا جبکہ اٹیم پر کسی قسم کا مشاہدہ تو درکنار تجربہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اس ان دیکھی حقیقت کو مانتے ہوئے متعلق سائنس داں تجربات و تحقیقات کرتے رہے اور مادی سائنس کو موجودہ دور عروج تک لے آئے اور نہ صرف اٹیم کو منوالیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر بنیادی نظریۂ ڈالٹن کے خلاف اٹیم کو توڑ کر اپنی طاقت کا لوہا منوالیا۔ اگر اٹیم پر براہِ راست تجربہ کا انتظار کیا جاتا تو سائنس آج سو برس پیچھے ہوتی بلکہ شکوک و شبہات میں الجھنے کی وجہ سے اس مقام تک بھی نہ پہنچ پاتی۔ یہ عروجِ سائنس صرف ان دیکھی بنیادوں کی روشنی میں آگے بڑھتے رہنے کے طفیل ہوا[1] اس تفصیلی بحث سے واضح ہوگیا کہ علوم کی گہرائی و وسعت حاصل کرنے کے لیے غیوب پر ایمان اور متشابہات کے ذریعہ حقائق محکم ہی کی آبیاری کی جاتی ہے۔ کیونکہ غیبی علوم بنیاد فراہم کرتے ہیں اور متشابہات سے حقیقت سے قریب پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔

علم، تفقہ، حکمت اور ہدایت کا تعلق

قرآن مجید نے علم کے تعلق سے تفقہ (التوبہ : ۱۲۲) حکمت (البقرہ : ۱۵۱)[2] اور

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کے مضمون بعنوان "حقیقی ترقی کے اسباب اور اسلام" برہان دہلی، اکتوبر نومبر ۱۹۸۲ء میں علم غیب کی بحث۔

[2] مزید دیکھئے آل عمران : ۱۶۴، لقمان : ۱۲، بنی اسرائیل : ۳۹، الاحزاب : ۳۴، جمعہ : ۲

ہدیٰ (توبہ: ۱۲۲۔ تفسیر ابن عباسؓ) وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔ علوم کی گہرائی اور بصیرت کے لیے عموماً تفقہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ حکمت علوم کے ان اسرار و رموز سے عبارت ہے جن کے ذریعہ مومن جملہ امور دنیوی و دینی میں خالق کائنات کے مصالح و مقاصد سے بہرہ ور ہوتا ہے جس سے منجملہ دوسری خصوصیات کے اس میں شکرِ خداوندی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے (لقمان: ۱۲) اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت کی حیثیت سے "لفظ "حکمت" قرآن میں جا بجا دہرایا گیا ہے۔ (البقرہ: ۳۲)[۱] اور رسولوں کی بعثت کا ایک اہم مقصد منجملہ دوسرے مقاصد کے حکمت کی تعلیم دینا بھی قرار دیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۱۵۱)[۲] اس مقصدِ بعثت سے یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ رسولوں کو نہ صرف علم کتاب سے نوازا جاتا ہے، بلکہ اس کے علاوہ علیحدہ سے اللہ تعالیٰ اُن پر ان حکمتوں کو بھی واضح کرتا ہے جو منصب رسالت سے متعلق ہیں۔ حکمت کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک حکمت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور جس کو حکمت سے نوازا گیا اس کو "خیر کثیر" سے نوازا گیا (البقرہ: ۲۶۹) کہ یہاں "خیر کثیر" علم سے آگے صفتِ حکمت کے لیے استعمال کیا گیا ہے جہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جملہ علوم کے محققین کائناتِ عالم کی حکمتوں کی نقاب کشائی کے لیے ہی اپنی تحقیق کا آغاز کرتے ہیں مگر توفیق خداوندی اور اس کے لیے طلب نہ ہو تو انسان ان حکمتوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کی درمیانی منازل ہی کو حکمتِ اصلی سمجھ بیٹھتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمتیں انسان کے قلب میں تبھی آشکارا ہوتی ہیں جبکہ وہ ایمان لا کر علوم متعلقہ میں بصیرت حاصل کرے اور عملی تدابیر نیز تجربات وغیرہ کے بعد غور و تدبر کے ذریعہ کائنات میں کارفرما مصالح و مقاصد کو جاننے کی کوشش کرے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کی اس رہنمائی سے عبارت ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت کائنات کی حقیقت، کائنات و انسان کی تخلیق کا مقصد اور کائنات میں انسان کی حیثیت اور اپنے انجام کا علم یقینی طور پر حاصل کر لیتا ہے اور اس کی روشنی میں منازل حیات طے کرنے لگتا ہے۔ قرآن کی رو سے ہدایت کا منبع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (البقرہ: ۱۲۲، ۲۷۲)[۳]

---

[۱] مزید دیکھئے آل عمران: ۶، النساء: ۲۶، المائدہ: ۳۸، التحریم: ۲

[۲] مزید دیکھئے آل عمران: ۱۶۴، الجمعہ: ۲

[۳] مزید دیکھئے الانعام: ۸۹، الحج: ۱۶، ۵۴۔ الفرقان: ۳۱، الشوریٰ: ۱۳

اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم خصوصی ہے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے مگر ہدایت بھی بغیر مانگے نہیں ملتی چنانچہ انسان کے سلیم الفطرت ہونے کی سب سے بڑی نشانی قرآن کی رو سے، یہ ہے کہ ہدایت کی طلب اس کے قلب میں پائی جائے اور وہ اپنے معبودِ حقیقی سے اس معاملہ میں استعانت طلب کرے تب اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی و کریمی کا خصوصی فیضان ہوتا ہے اس کو قرآن "صراطِ مستقیم" (الفاتحہ: ۵)[۵۱] "ہدایت" (البقرہ: ۲۵۷)[۵۲] اور "ایمان" (الصّٰفّٰت: ۸۱، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۳۲) وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس علم ہدایت کو منبع ہدایت سے براہِ راست انبیاء کرام اخذ کرتے ہیں (الانعام: ۸۱، ۹۱) اور وہ آیات و بینات اور بے داغ کردار کے ذریعہ عام لوگوں پر اپنے حامل نبوت و ہدایت ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ضد اور تعصب کی وجہ سے علم ہدایت کی روشنی سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور کچھ لوگ اپنے "علم دنیا" پر نازاں رہتے ہیں اور خود کو علم ہدایت سے بے نیاز سمجھ کر غیر انسانی یعنی غیر اسلامی زندگی گزارنے پر اصرار کرتے ہیں اور نتیجتاً عذاب دنیوی کی پکڑ میں بھی آجاتے ہیں۔ (القصص: ۷۸)

علوم کے اسلامائیزیشن کی ضرورت

قرآن کی رو سے علم کے ہر شعبہ کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا اس لیے ضروری ہے کہ جملہ علوم دنیوی، علمِ وحی کے فیضان کے بغیر انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں (الاعراف: ۱۷۶) طاغوت کے ہاتھوں میں علم و ہنر ہو تو وہ انسانیت کو تباہی و بربادی سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں وہی علم صحیح ہے جو انسان اور انسانیت کے لیے نافع ہو۔ (البقرہ: ۱۰۲ المومن: ۸۳)۔ آج دنیائے انسانیت کو اس نافع علم و ٹکنالوجی کی ضرورت ہے جس سے دنیا پر منڈلاتے ہوئے جنگ کے سیاہ بادل، بیچینی اور کراہتی انسانیت، ظلم و بربریت کے مارے ہوئے عوام، افلاس اور امراض و مصائب سے دوچار اقوام، ترقی کے نام پر تنزلی کی جانب گامزن دنیا، غیر متوازن و غیر اخلاقی زندگی، بہیمیت و عریانیت اور اباحت پسندی کا دلدادہ معاشرہ، خود غرضی و بد چلنی پر استوار سماج کی جگہ اخلاقی

---

۵۱ مزید دیکھئے آل عمران: ۵۱ - الانعام: ۸۸، یٰس: ۶۱، الصّٰفّٰت ۱۱۸، الحج: ۵۴

۵۲ مزید دیکھئے الانعام: ۷۸، الحدید: ۹، الطلاق: ۱۱

بنیادوں پر استوار معاشرہ، سکون وچین سے ہم کنار ماحول، ستاروں سے آگے کے جہانوں کی جستجو کا جذبہ، حقیقی ترقی، عدل ومساوات، اخوت وایثار اور حریت وجواں مردی، جیسی صفات پر مشتمل سماجِ انسانی کی تشکیلِ نو ہو۔

آج وقت کی اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ جملہ دینوی علوم وفنون خصوصاً سائنس وٹکنالوجی کو اسلام کے سانچہ میں ڈھال کر حقیقی ترقی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جائے ورنہ آج کے علوم وفنون کی موجودہ سمت تو انسانی تہذیب وتمدن کو تباہی اور تخریب کی منزل تک پہنچائے بغیر دم نہ لے گی اور حقیقی ترقی تو کجا مادی ترقی بھی ختم ہو جائے گی۔